Fikr-o-Nasar (Islamabad) 8:10 (1970)

قرنِ اوّل کا معاشی جائزہ

محمّد صغیر حسن معصومی

ابتدائے آفرینش سے نبوت و ہدایت کے علم بردار نوعِ بشر کی تعلیم و تربیت میں جدوجہد کرتے رہے۔ عہد بعہد کے افراد انسانی کی عقل و فہم کے مطابق احکام و ہدایات صادر ہوتے رہے۔ زندگی کے معاملات میں ہر طرح کی رہنمائی کی جاتی رہی۔ انسانی آبادی کی توسیع کے ساتھ انسانی معیشت میں بھی تنوع پیدا ہوتا گیا۔ انسانی تعلیمات کی تکمیل خاتم النبیین حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اور خدا کی طرف سے آخری نازل کردہ کتاب قرآن حکیم کی تعلیمات سے ہوئی اور دین و دنیا ہر دو جہان کی زندگی کے مفید و کارآمد اصول اور حدود بیان کر دیئے گئے۔

اسلام نے شرک کے قلع و قمع کے بعد زندگی میں اس کے سارے بد اثرات کو مٹا دینے کا بیڑا اُٹھایا۔ مشرکین کی روزمرہ کی زندگی میں طاغوتی شر و فساد کا دخل ناگزیر تھا۔ انسانی تخیل کے ماتحت طاقت و شر کے آگے سر جھکانے والا انسان کبھی عدل و مساوات، اخوت و بے نفسی، ایثار و قربانی، محبت و صداقت کا صحیح جذبہ نہیں رکھ سکتا۔ اور فخر و مباہات، سربلندی و استحصال، ضد و خود غرضی کے آگے اخلاق فاضلہ کی طرف دھیان نہیں دے پاتا۔ اس کے آگے ہر وقت ایسی مثالیں موجود رہتی ہیں جن میں حق کے لئے قربانی اور جزا و سزا کا مظاہرہ برائے نام بھی نہیں ہوتا۔

پیغمبرِ اسلام نے توحید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی طور پر ایک خدا کے آگے سر جھکانے کا پنج وقتہ مظاہرہ کرنا سکھایا۔ مساوات و اخوّت کی تعلیم دی۔ فخر و سربلندی، استحصال و نفس پرستی کی برائیاں بیان کرتے رہے۔ دیکھتے دیکھتے ظلم و سفاکی کے خوگر عدل و محبت کے پیکر بن گئے، کفر و اسلام کے درمیان اوّلین جنگ غزوۂ بدر کے قیدیوں کو، عربوں اور قریشیوں کے معمول کے خلاف، معمولی شرائط کے ایفا کے بعد آزاد کر دیا گیا۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر + یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لبِ گور

آج سے پچاسوں برس پہلے اکبر الہ آبادی مرحوم بالکل بجا فرما گئے تھے ؎

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں + مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اقبال عمر بھر ملّتِ اسلامیہ کے اتحاد کا آوازہ بلند کرتے رہے مگر وائے افسوس کہ ہم میں آج تک یہ احساس پیدا نہ ہوا۔ ذاتی اغراض نفسانی خواہشات، علاقائی تعصّبات، فرقہ وارانہ اختلافات اور مذہبی مناقشات نے ملّت کی ردا کو تار تار کر رکھا ہے۔ وہ قوم جس کو عقیدہ توحید کے زیر اثر "نبیان مرصوص" (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) ہونا چاہیئے تھا، وہ انتشار کا شکار ہو کر ریت کی دیوار ہے۔ اغیار اسے اپنی ٹھوکروں سے پامال کرتے ہیں اور وہ ذلّت و نکبت کی زندگی پر قانع، ماضی سے بے خبر اور مستقبل سے بے پروا، اپنے حال میں مست ہے۔ اقبال نے کبھی آوازہ بلند کیا تھا ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے + نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

نیل کے ساحل پہ کیا گزری اور خاکِ کاشغر کا انجام کیا ہوا؟؟

نیل کا پانی مسلمانوں کے خون سے سُرخ ہے اور کاشغر کی مٹی مسلمانوں کا مدفن ہے۔ یہ نتیجہ ہے حرم سے بے نیازی کا۔ کیا اقبال کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

پاکستان نے اپنی مختصر مدّتِ حیات میں بڑے بڑے نشیب و فراز دیکھے مگر ایسا نازک وقت پاکستان کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ ملّت کا سفینہ گرداب میں پھنس کر ہچکولے کھا رہا ہے۔ ناخدا باہم دست و گریباں ہیں۔ اہلِ کشتی اپنے ہولناک انجام سے خائف عالمِ بے چارگی میں خدا کو پکار رہے ہیں۔ ان حالات میں دعا ان کا آخری سہارا ہے۔ رحمتِ باری سے امید ہے کہ جہاں اور سب تدبیریں ناکام ہو جائیں گی، وہاں دعا مستجاب ہوگی۔ پردہ غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوگا اور آگے بڑھ کر پتوار تھام لے گا۔ کشتی ساحلِ مراد سے جا لگے گی، اور سر سجدۂ شُکر بجا لانے کے لئے جھک جائیں گے۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے سارے جہان میں انقلاب برپا کرنے کی بنیاد رکھی، اخلاقی فضائل کو اپنانے اور اخلاقی رذائل سے عملی زندگی میں اجتناب و پرہیز کی تلقین کی۔ صدیوں سے دلوں میں رچی ہوئی باتیں، عادات و اطوار، عقیدے اور رسم و رواج یکبارگی ناگہانی طور پر متروک نہیں ہو سکتے تھے۔ شروع شروع میں اہلِ مکہ اور عرب کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور ان کے طریقِ کار سے سخت متعجب ہوئے۔ تعجب کے ساتھ ضد اور نفرت پیدا ہوئی اور پھر عداوت و دشمنی تک کی نوبت آ گئی۔ مگر پیغمبرِ اسلام کی استقامت اور ان کے فرمان بردار اصحاب کی پامردی کو دیکھ کر طاقت ور و مالدار بھی آہستہ آہستہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ فطری امر ہے کہ جو جس قدر عادات و رسوم کا پابند ہوتا ہے اس کو اپنے عادات و اطوار کے بدلنے میں اسی قدر دقت و دشواری ہوتی ہے۔ مکہ کے باشندے جو تجارت کے خوگر تھے اور خانۂ کعبہ کے محافظ، اپنے آپ کو سارے عرب کے قبائل پر فضیلت دیتے تھے۔ مذہبی تقدس کے ساتھ تہذیب و تمدن کے حامل بھی سمجھے جاتے تھے۔ ملک شام، حیرہ اور یمن کے سفر کرنے کی وجہ سے ان علاقوں میں رہائش پذیر متمدن اقوام کے عادات و اطوار اور طرزِ معاشرت سے آشنا تھے۔ قبیلہ قریش کے لوگوں نے ان ممالک کا سفر متواتر کرنے کی وجہ سے مختلف قبائل سے، جن کے علاقوں کے درمیان سے ان کا گزر ہوتا تھا، عہد و پیمان کر لیا تھا، جس کی طرف سورۃ القریش میں اللہ تعالیٰ نے "ایلاف قریش" کی اصطلاح میں اشارہ کیا ہے۔ اور چونکہ عرب کے اکثر قبائل خود کو دینِ ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے، اس لئے ہر سال حج کے مہینے 'ذوالحجہ' میں خانۂ کعبہ کا قصد کرتے اور حج بیت اللہ کے بہانے اپنے بہت سے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ دور دور کے لوگوں سے ملتے اور مکہ کی زیارت کرتے۔ سورۂ مذکورہ میں خانۂ کعبہ کی عبادت کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ کہ اس گھر کے پروردگار نے ان کو بھوک سے بچایا اور رزق عطا کیا۔ اس سورۃ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ عربوں کا اولین قبلہ یہی خانۂ کعبہ تھا۔ اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کی طرف رُخ کرتے تھے۔ اہلِ مکہ کی اقتصادی حالت کا ذکر ان دونوں آیتوں کے کلمات میں واضح ہے۔ یہ فطری امر ہے کہ ان میں بعض امیر کبیر تھے، دولت و ثروت کے مالک تھے، اور بہت سے ان کے حاشیہ بردار اور کارکن تھے، جن کی محنتوں اور خدمتوں

کی بدولت انہیں آسائش کی زندگی حاصل تھی، اور ان کے انعام و اکرام، داد و دہش سے آس پاس کی وادیوں میں رہنے والے قبائل بھی فائدہ اُٹھاتے تھے، جس کا اندازہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہو جاتا ہے، کہ شرفائے مکہ کے دوسرے بچوں کی طرح آپؐ کو بھی ابتدائی تربیت اور زبان دانی کے لئے چند سال بنی سعد میں حضرت حلیمہ سعدیہ کے زیرِ نگرانی رہنا پڑا تھا۔

بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چَراتے تھے۔ آپؐ کے ہم عمر لڑکے بھی اپنے اپنے گلے لئے اِدھر سے اُدھر گھومتے پھرتے۔ یہ آپس میں مل کر طرح طرح کے کھیل بھی کھیلا کرتے۔ مگر آپؐ کو ان کے کھیلوں سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں ہوئی۔ جوانی میں آپؐ اپنے چچا ابو طالب کی معاشی مدد کو اوّلین فرائض میں داخل سمجھتے تھے۔ دوسرے نوجوانوں کی کارکردگی سے متاثر ہو کر آپ کو بھی شوق ہُوا کہ تجارت شروع کریں، سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ متفکر تھے۔ اسی عالم میں بعض دوستوں اور خیر خواہوں کے کہنے سے آپؐ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مالِ تجارت کو لے جانا منظور کیا۔ اس سفر میں آپؐ بصرہ گئے جو شام کی طرف تھا۔ یہاں آپؐ کو دوسرے تاجرانِ مکہ کی امیدوں کے خلاف زیادہ نفع حاصل ہُوا۔ ایک دو سفر کے بعد آپؐ کی دیانت داری اور برکت و سعادت دیکھ کر حضرت خدیجہؓ آپؐ کی ایسی گرویدہ ہوئیں کہ عمر کے تفاوت کے باوجود آپؐ کو اوّلین ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہُوا۔ ام المومنین کی داد و دہش، حسنِ معاشرت اور فیاضانہ سلوک سے سارے مکے والے متاثر تھے۔ ان کی تجارتی سوجھ بوجھ، کاروباری دور اندیشی، نیز حسنِ معاشرت گو بے نظیر ہے۔ مگر اس زمانے میں مکہ کی دوسری بیگمات بھی تجارتی سرگرمیوں میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

دوسری مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی ہے جو اپنی ماں کا نقشِ ثانی تھیں اور اپنے زیورات تک بیچ کر اپنے شوہر ابو العاصؓ کے تجارتی سرمائے میں شریک تھیں۔ ابو العاص بھی معاملے کے صاف، پکے اور دیانتدار تھے۔ اس لئے اکثر چھوٹے چھوٹے سرمایہ دار ان کے شریکِ کار ہو جاتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کی اسیری سے رہائی پانے پر حضرت زینب کو مدینہ منورہ بھیجنے کے بعد جب ابو العاصؓ نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا، تو سب سے پہلے مکہ پہنچ کر تجارت کے منافع سمیت حصے لوگوں کے سپرد کر

دیئے، اور سب کے حسابات بے باق کرنے کے بعد عازم مدینہ ہوئے اور ایمان لانے کا اعلان کیا۔

جہاں تجارت و صنعت عام پیشہ ہو، وہاں زندگی کے مختلف منازل کے خدوخال خود بخود واضح ہو جاتے ہیں۔ سرمایہ داروں کے ساتھ ان کے معاونین اور شرکار کار، اور پھر مزدوروں کے جتھے، کارندوں کی ٹولیاں، غرض معاشرتی زندگی کے درجہ بدرجہ طبقات کیوں کر وجود میں نہ آئیں۔ عیش اور فارغ البالی ہو تو دوسرے لوازمات کا ہونا بھی یقینی ہے۔ آج جس طرح لوگوں سے بیگاری جاتی ہے، اس زمانے میں بھی بے یار و مددگار لوگوں کو پکڑ کر غلام بنالیا کرتے تھے۔ بعض قبائل کا کام ہی یہ تھا کہ تاخت و تاراج، لوٹ مار میں اپنی زندگی گزاریں۔ دوسرے ممالک کی طرح عربوں میں بھی غلامی کا رواج تھا۔ اسلام نے غلاموں کے آزاد کرنے کو کارِ ثواب بتایا۔ نذر و کفارہ کی ادائیگی کے لئے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ پیغمبرِ اسلام نے نہ صرف غلاموں کو آزاد کیا، ان کو اپنے جیسا کھانا کپڑا دیا بلکہ ساتھ ہی غلامی کو ایک رشتہ بنالیا۔ یہاں تک کہ غلاموں کو وراثت کا حق بھی دیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں آزاد کردہ غلام بڑے بڑے فاتح ہوئے۔ غلاموں کے خاندان حکمرانی سے سرفراز ہوئے۔ مصر و ہندوستان میں ان کی حکومت کے آثار آج بھی نمایاں ہیں۔

مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد مکے کے مسلمان حیران تھے کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں زندگی گزارنے کا کیا ذریعہ ہو گا۔ مدینہ میں لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ تھے۔ ان کا معاشی نظام مختلف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم کیا۔ اور بھائی بھائی بناکر وقتی طور پہ بے سروسامان مہاجرین کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام کر دیا۔ انصار بڑی محبت سے پیش آئے۔ اپنے اپنے گھروں کے حصے بنا کر مہاجرین کو اختیار دیا کہ جس کو چاہیں پسند کر لیں۔ صرف یہی نہیں، جن کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں انہوں نے یہ بھی کہا کہ جس بیوی کو پسند کر لیں وہ ان سے طلاق دے کر الگ ہو جائیں گے، تاکہ ان کے مہاجر بھائی ان سے نکاح کر لیں۔ مہاجرین نے شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ درخواست کی کہ وہ یہ سب احسان اُٹھانے کو تیار نہیں۔ انھیں تو صرف بازار اور منڈی کی

جگہیں دکھادیں، تاکہ کچھ اشیاء خرید و فروخت کر کے اپنا کاروبار سنبھالیں ۔ چنانچہ ایک قلیل عرصے میں مہاجرین نے اپنی معاشی حالت درست کر لی اور اپنے گھروں میں جا بسے ۔

تجارتی کاروبار کے مختلف طریقے رائج تھے ۔ اسلام نے ' ابتغوا من فضل اللّٰہ ' (اللہ کے فضل، رزق و مالِ تجارت کو حاصل کرو) سے تجارت کی ترغیب دی ۔ اور اس کے اصول بیان کر دیئے ۔

۱ ۔ معاملاتِ تجارت میں جانبین کا تعاون ضروری ہے ۔ تعاونوا علی البرو التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (مائدہ) یعنی بھلائی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور ظلم پر ہرگز کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو ۔

۲ ۔ معاملہ میں جانبین کی حقیقی رضا ضروری ہے ۔ یہ نہ ہو کہ ایک شخص برضا و رغبت معاملہ کے لئے آمادہ نہیں ہے مگر اس کی مجبوری اس کی رضا کی قائم مقام بن گئی ہے ۔ یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل اِلّا ان تکونَ تجارۃ عن تراض منکم (نساء) ۔ اے ایمان والو، تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو غلط اور باطل طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت کی راہ سے باہمی رضامندی کے ساتھ معاملہ ہو ۔

۳ ۔ معاملہ کرنے والے معاملہ کی اہلیت رکھتے ہوں ۔ کم عقل، بچے نہ ہوں، نہ زبردستی کو دخل ہو ۔

۴ ۔ معاملہ میں نہ دھوکا ہو نہ کسی قسم کی خیانت و معصیت ۔

ان کے علاوہ تمام ایسے طریقے اسلام نے ممنوع قرار دیئے، جن میں

۱ ۔ افزونیٔ مال اور حصولِ نفع کا ایسا معاملہ ہو، جس میں باہمی تعاون یا رضامندی مفقود ہو، اور ایک جانب کا فائدہ دوسری جانب کے یقینی نقصان پر مبنی ہو، مثلاً جوا، میسر، لاٹری اور سٹہ کے تمام انواع و اقسام ۔

۲ ۔ مالی نمو اور حصولِ نفع کا وہ معاملہ جس میں جانبین میں سے کسی ایک جانب کی حقیقی رضا نہ پائی جاتی ہو ۔ مثلاً سود (بیاج) یا کسی اجیر کو اس کی محنت کے مقابلہ میں غیر واجبی اُجرت ۔

۳ ۔ ایسا کاروبار جو اسلام کی نگاہ میں معصیت ہو ۔ مثلاً شراب، مُردار، منشّیات، اصنام

دُبّت)، خنزیر وغیرہ کی بیع وشرا، یا ان اشیاء کی خرید وفروخت جو اپنی ذات میں نجس اور ناپاک ہوں۔

۴۔ وہ معاملات جن میں جانبین کی طرف سے عقد ومعاملہ ہو جانے کے باوجود نزاع اور مناقشہ کی صورتیں باقی رہیں۔

۵۔ وہ معاملات جن میں دھوکا اور فریب مضمر ہو، یعنی شے مبیع کا ذکر کسی وجہ سے نہ کیا گیا ہو، اور دوسری شے کے ضمن میں لے لیا گیا ہو۔ غرض سارے ایسے کاروبار ممنوع قرار دے دیئے گئے جن میں قمار کی صورت ہو یا سود کی۔ یا جن میں تعاونِ باہمی یا جانبین کی رضا کا وجود نہ ہو اور نزاع اور مناقشہ کی مذموم سرمایہ دارانہ سسٹم کی ممد ومعاون شکلیں ہوں۔

تجارت کے علاوہ، صنعت وحرفت کی رغبت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برابر دلائی۔ حضرت خالد کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ انسان کے لئے کسبِ معاش کا کون سا ذریعہ بہتر ہے۔ فرمایا دست کاری (ابن ماجہ)۔ آپؐ نے بُننے، سینے، جوتیاں بنانے، برتن بنانے اور اسی قسم کے گھریلو سامانِ ضرورت کو خود تیار کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عورتوں کو کاتنے کی ترغیب دی تو مردوں کو بُننے کی تلقین کی، اور اسی طرح دست کاری سے روزی کمانے کو دنیوی فلاح بھی بتایا اور اُخروی شاد کامی کی بشارتوں سے بھی نوازا۔

اسلام نے تجارت اور صنعت وحرفت کی ترقی کے ذرائع کو وسیع کیا۔ اور خلافت راشدہ نیز عمر بن عبدالعزیز کے دورِ حکومت میں عرب سے باہر ایران، شام، عراق، مصر اور روم میں تجارتی منڈیاں قائم کی گئیں۔ اسلام نے تجارت کے محصولات کے بارے میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے، اور درآمد وبرآمد پر اس قسم کی پابندیاں نہیں عائد کیں جو اس مہذب دَور کی حکومتوں نے استحصال بالجبر کے لئے روا رکھی ہیں۔ اسلام کا فیصلہ ہے کہ تجارت معاشی ذرائع میں سے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس کو اپنے اور پرائے کا فرق کئے بغیر ٹیکسوں اور محاصل سے معاف رکھا جائے، تاکہ خدا کی کائنات کے مختلف حصوں کی مخصوص اشیاء دوسرے حصوں میں آسانی کے ساتھ فراہم کی جاسکیں اور اس طرح ساری کائنات ایک برادری اور ایک

کنبہ بن جائے۔

حضرت فاروقِ اعظم کے زمانہ میں جب عراق اور شام کے گورنروں نے یہ اطلاع دی کہ نصاریٰ اور یہود کے ممالک میں جب مسلمان تاجر جاتے ہیں تو ان سے مالِ تجارت پر محصول لیا جاتا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے یہ حکم دیا کہ جس حساب سے وہ ہمارے تاجروں سے محصول لیتے ہیں جب ہمارے ملکوں میں وہ مالِ تجارت لے کر آئیں تو اسی حساب سے ان سے بھی محصول لیا جائے اور اس کا اصطلاحی نام عشور رکھا گیا۔

حضرت عمر کا یہ فیصلہ تھا کہ "ایک تاجر سے سال میں صرف ایک ہی مرتبہ محصول لیا جائے" خواہ وہ سال کے اندر متعدد بار مال درآمد و برآمد کرے۔ نیز پھلوں پر محصول معاف تھا۔

تجارتی کاروبار اور ہر طرح کے لین دین میں سکّہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آج کل کا نوٹ اسی کا قائم مقام ہے۔ کسی ملک کی اقتصادی ساکھ جبھی قائم رہ سکتی ہے کہ اس کے دارالضرب میں وہ دھات جو سکّہ کا معیار قرار دی گئی ہے اتنی مقدار میں موجود ہو جس مقدار میں اس کے مقابل نوٹ جاری کئے گئے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں دارالضرب موجود تھا اور اس میں سکے ڈھالے جاتے تھے۔ سونے چاندی کے ہر قسم کے سکے رائج تھے، جو درہم و دینار کے نام سے موسوم تھے۔ سکّہ عوام کی کاروباری زندگی کی سہولت کا ایک ذریعہ تھا اور دارالضرب نفعِ عوام کا ایک ادارہ تھا نہ کہ حکومت کا مخصوص شعبۂ آمدنی۔

اسلام کے اقتصادی نظام میں شرحِ مبادلہ "امام" اور اس کی "مجلسِ شوریٰ" کی رائے پر موقوف ہے۔ وہ عام اقتصادی ترقی کے لئے جو صورت بھی مفید سمجھیں، اختیار کریں۔

محصولات یعنی کسٹم ڈیوٹی وغیرہ میں اسلام سختی کا قائل نہیں ہے اور خلافتِ راشدہ تک تجارت کو وسعت دینے کے لئے، کسی شرط و قید کے بغیر تجارت کی حمایت جاری رہی اور تجارتی بدعنوانیوں کی دونوں بنیادی شکلوں (۱) احتکار (۲) اکتناز، یعنی ذخیرہ اندوزی اور زراندوزی کو حرام و ممنوع قرار دیا گیا۔

احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص غلّہ وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لئے خریدے کہ بازار گراں ہو جائے، مہاجنوں کا وہ گروہ جو کاشت کاروں کو قرض کے نام سے سود پر روپیہ

دے کر ان کی کمائی کو "غلہ" کی شکل میں وصول کرتا ہے اور ان سے ارزاں نرخ پر خرید کر کھتیوں میں بھر رکھتا ہے، احتکار کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ احتکار میں سود، قمار یعنی جوئے اور سٹہ بازی، لاٹری اور ریس (گھوڑ دوڑ) جیسے معاملات شامل ہیں جو با اصول تجارت کے لئے تباہ کن اور معاشرت کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہیں۔ احتکار کی یہ شکلیں جب عام کاروبار پر مسلط ہو جاتی ہیں تو اکتناز، زر اندوزی کی مذموم شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

آج کل بنک اور کواپرٹیو سوسائٹیاں، جو نہایت مفید و کار آمد سمجھی جاتی ہیں، سودی کاروبار کی وجہ سے عوام اور غرباء کے لئے، نہایت مضر اور تباہ کن اور سرمایہ داروں کے لئے مفید اور ضروری ہیں، اس لئے کہ وہ خوب صورت طریقوں سے، دولت کو دولت مندوں میں محدود کرتی ہیں۔ تہذیبِ نو کا یہ تجارتی جال، دراصل دورِ قدیم کی مہاجنی منڈیوں کے بیوپار کی نہایت حسین اور دلفریب صورت ہے۔

امداد باہمی، اجتماعی زندگی کا اہم فریضہ ہے۔ اس کے بعض طریقے مثلاً تجارتی شعبہ میں مضاربت، معاوضہ وغیرہ اور زراعتی شعبہ میں مزارعت، معاملہ وغیرہ نہایت مفید ہیں۔ امدادِ باہمی کی پبلک انجمنوں اور سوسائٹیوں کے علاوہ اگر حکومت مفادِ عامہ کی خاطر کواپریٹو سوسائٹیاں قائم کرنا چاہے تو سود کی لعنت سے بچتے ہوئے، عام مفاد کے لئے ایک ایسا ٹیکس لگا سکتی ہے، جس کا اثر صرف سرمایہ داروں کے عیش و تنعم کی اشیاء پر پڑتا ہو۔ یا اسی قسم کی اشیاء کی درآمد و برآمد پر ایسا ٹیکس لگایا جائے جو اس قسم کی سوسائٹیوں کے چلانے اور ترقی دینے میں ممد و معاون ثابت ہو۔

اسلام نے انفاق کا حکم دیا ہے لیکن اسراف و تبذیر سے روکا ہے۔ ساتھ ہی زکوٰۃ و صدقات کا مصرف بیان کر دیا ہے تاکہ بیت المال کے مصارف صحیح طور سے عمل میں لائے جائیں۔ خلافتِ راشدہ میں مسلمانوں کا ہمیشہ ان احکام پر عمل رہا۔ بیت المال کے چار شعبے تھے۔ مالِ غنیمت کنز، رکاز، خمس اور صدقات ایک شعبے میں، زکوٰۃ، عشر اور مسلمان تاجروں سے وصول شدہ عشور دوسرے شعبے میں خراج، جزیہ، غیر مسلم تجار سے وصول کردہ عشور، فئے، زمین کا محصول، تیسرے شعبے میں۔ اور اموالِ فاضلہ یعنی لاوارث کا مال یا ترکہ وغیرہ چوتھے شعبے میں محفوظ رکھے جاتے تھے۔

بیت المال کے محاصل کا تعلق جس طرح قلمرو اسلامی کے مسلمانوں کی ضروریات و حاجات سے وابستہ

تھا۔ اسی طرح غیر مسلم (ذمی) کی حاجات و ضروریات سے بھی متعلق رہا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ نے فقراء اور مساکین میں غیر مسلموں (ذمیوں) کو بھی شامل کیا ہے۔

بیت المال کے محاصل کو اہلِ مصرف پر خرچ کرنے کے لحاظ سے "اولی الامر" کے اختیارات اس طرح منقسم ہیں کہ زکوٰۃ اور عشر جیسے محاصل کے لئے وہ صرف محافظ ہیں اور مخصوص اہلِ مصرف ہی پر خرچ کر سکتے ہیں اور فئے وخراج جیسے محاصل میں وہ اپنی رائے اور مجلسِ شوریٰ کے مشورہ سے خلافت کی مصلحتوں اور مستحقین کی حاجتوں پر خرچ کر سکتے ہیں۔

ایامِ خلافت میں مجاہدین و عمال کے وظائف مقرر کر دیئے گئے تھے، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں، مسائلِ دین کی تعلیم اور تبلیغِ اسلام کی خدمات کے لئے بھی وظائف مقرر فرمائے اور مبلغین و معلمین نیز ائمہ اور طلباء کے لئے عطایا اور وظائف مقرر تھے۔ فقراء، مساکین اور دوسرے اہلِ حاجات کے بارے میں عہد خلافت نے بغیر کسی تفریق کے، وظائف معاشی کا سلسلہ قائم کیا ہے اور کسی ایک ذمی کو بھی محروم المعیشت رکھنا جائز نہیں سمجھا۔

حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے گئے جو کچھ موجود تھا اس کو دیا اور بیت المال کے خزانچی کے پاس فرمان بھیجا کہ یہ اور اسی قسم کے دوسرے حاجت مندوں کا پتا چلائیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایسے تمام لوگوں کا نہ صرف جزیہ معاف کر دیا بلکہ ان کا وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر کر دیا۔

اسلام کے معاشی نظریئے عملی اور تجرباتی زندگی میں تمام معاشی نظریات سے زیادہ بلند اور کامیاب ثابت ہوئے۔ لیکن مسلم حکمرانوں نے اپنی ذاتی حکمرانی کے لالچ میں اس بہترین نظام کو خود اپنے ہاتھوں برباد کر ڈالا۔ کیونکہ وہ یہ برداشت نہ کر سکے کہ خلافت فقط نیابت قانون الٰہی ہو اور وہ ذاتی حکمرانی اور شخصی صولت و حکومت نہ بنے۔ اسلام کے نظامِ حکومت میں خلیفہ کی شخصیت نمایاں ہے، مگر ذاتی اور پارٹی کے اقتدار کی خاطر نہیں بلکہ قلمروِ خلافت کے ہر فرد کی خدمت کے لئے۔ بلاشبہ اس میں جمہوریت کا عنصر روشن ہے لیکن جمہور کے حقوق کی حفاظت کے لئے، نہ کہ وضع قوانین و طرزِ حکومت میں مخالف و موافق جماعت قائم کرنے اور اقلیت و اکثریت کی بحث جاری رکھنے کے لئے، خلافت ایسا روشن نظام ہے جس میں عدل و انصاف

کی یکسانیت اور افرادِ اُمت کی خدمت اصل بنیاد و اساس ہے۔ وہ ایک ایسا اجتماعی نظام ہے جس میں خلیفہ راہِ حق کا رہنما بھی ہے اور خلق کا خادم بھی۔ غرض ــــــ:

"اسلام کے نظامِ حکومت میں نہ مذموم سرمایہ داری کا گزر ہو سکتا ہے اور نہ طبقاتی جنگ کا امکان ہے۔ اس کا معاشی نظام نہ افراد کے انفرادی حقوق کو سلب کر کے تعطل وجود پیدا کرتا ہے اور نہ افراد کو جماعتی زندگی سے کاٹ کر بالکل آزاد چھوڑتا ہے۔ بلاشبہ اسلام کا معاشی نظام نفع اندوزی کی بنیادوں پر نہیں، بلکہ انسانوں کی حاجت روائی کی اساس پر قائم ہے۔ اس کی معیشت کا دسترخوانِ فاتح ومفتوح، آزاد و غلام، اسود و احمر اور مسلم و کافر سب کے لئے وسیع ہے۔ وہ زیر دستوں پر اربابِ قوت کو مسلط نہیں ہونے دیتا اور اربابِ دولت کو حصولِ دولت میں اس طرح آزاد نہیں چھوڑتا کہ وہ غریبوں کو اپنا آلۂ کار بنالیں۔ وہ سب کو بخشتا ہے اور کسی کو محروم نہیں کرتا۔ وہ مزدور و کاشت کار ہی نہیں بلکہ ہر زیر دست کو بلند کرتا ہے اور جماعت کے افراد کے درمیان اخوتِ عامہ اور عالمگیر مواسات کا رشتہ قائم کرتا ہے۔"